7

روحانیت کی ترقی کے لئے اخلاقِ فاضلہ کا حصول نہایت ضروری ہے

(فرمودہ 28 فروری 1941ء)

تشہّد، تعوّذ اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:-

"دنیا میں ہر ایک چیز کا ایک ظاہر ہوتا ہے اور ایک باطن ہوتا ہے۔ ظاہر اپنی جگہ پر ایک ضروری چیز ہے اور باطن اپنی جگہ پر ایک ضروری چیز ہے اور ان دونوں کی اہمیت ایسی ہی ہے جیسے انسان کے لئے جسم اور روح۔ دونوں کا وجود نہایت اہم ہوتا ہے۔ روح بغیر کسی جسم کے خواہ وہ کتنا ہی لطیف کیوں نہ ہو کوئی کام نہیں کر سکتی اور جسم بغیر کسی روح کے کوئی اختیاری فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ کسی قسم کا بھی فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔ کیونکہ جس قسم کے فوائد کسی جسم میں پائے جاتے ہیں وہی اس کی روح بھی کہلائیں گے مثلاً پاخانہ ایک فُضلہ ہے جو پھینک دیا جاتا ہے مگر فضلہ میں بھی ایک روح موجود ہوتی ہے اور وہ روح زمین کی قوتِ پرورش کو بڑھانے کی طاقت ہے جو اس میں پائی جاتی ہے۔ پس وہ خالی جسم نہیں بلکہ اس میں روح بھی ہے ہاں اگر کھاد بلحاظ کھاد کے مر چکی ہو یعنی وہ ایسے رنگ میں خراب ہو چکی ہو کہ وہ کھاد کا کام بھی نہ دے سکے تو وہ بے شک جسم بے روح کہلائے گی ورنہ ہر روح جسم کے ساتھ مل کر کام کرتی ہے۔ یہاں تک کہ جب لوگ خواب دیکھتے ہیں تو اس وقت بھی صرف روح کوئی نظارہ نہیں دیکھتی

بلکہ خواب میں اس روح کو ایک نیا جسم مل جاتا ہے اور روح اس جسم کے ساتھ مل کر کام کرتی ہے۔ مثلاً جب تم خواب میں دیکھتے ہو کہ تم لاہور جا رہے ہو یا خواب میں دیکھتے ہو کہ تم ہوا میں اڑ رہے ہو یا خواب میں دیکھتے ہو کہ تم دریا میں تیر رہے ہو یا خواب میں دیکھتے ہو کہ تم کسی دور دراز کے سفر پر جا رہے ہو یا خواب میں دیکھتے ہو کہ تم کوئی چیز کھا رہے ہو تو اس وقت تمہارا جسم چارپائی پر ہی ہوتا ہے تم بے شک اپنے آپ کو دیکھتے ہو کہ تم دریا میں تیر رہے ہو لیکن تمہارا جسم اس وقت کسی دریا میں نہیں بلکہ چارپائی پر ہوتا ہے۔ اسی طرح تم بے شک دیکھتے ہو کہ تم سفر پر جا رہے ہو لیکن تمہارا جسم چارپائی پر ہی پڑا ہوُا ہوتا ہے مگر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ جب تم خواب میں اپنے آپ کو تیرتے دیکھتے ہو یا یہ دیکھتے ہو کہ تم کہیں سفر پر جا رہے ہو تو تم خالی روح نہیں دیکھتے بلکہ اپنے ساتھ اپنا ایک جسم بھی دیکھتے ہو۔ اسی طرح جب تم اپنے آپ کو ہوا میں اڑتے دیکھتے ہو تو اس وقت خالی روح نہیں ہوتی بلکہ ایک جسم کو بھی تم اپنے ساتھ دیکھتے ہو۔ اسی طرح خواب میں جب تم کوئی چیز کھاتے ہو یا کوئی چیز پیتے ہو یا کسی سے لڑتے ہوئے اپنے آپ کو دیکھتے ہو یا کسی سے صلح کرتے ہوئے اپنے آپ کو دیکھتے ہو تو تم اپنا ایک جسم بھی محسوس کرتے ہو۔ یہ نہیں ہوتا کہ صرف روح ہی ہو اور جسم اس کے ساتھ کوئی نہ ہو۔

پس وہ جسم ایک علیحدہ چیز ہوتا ہے تمہارا ظاہری جسم نہیں ہوتا کیونکہ یہ جسم تو اس وقت چارپائی پر پڑا ہوُا ہوتا ہے اور یہ بالکل ناممکن ہے کہ ایک ہی جسم ایک وقت میں چارپائی پر بھی ہو اور دریا میں بھی تیر رہا ہو یا چارپائی پر بھی ہو اور پہاڑ کی چوٹی پر بھی ہو یا چارپائی پر بھی ہو اور دور دراز کا سفر بھی کر رہا ہو یا چارپائی پر پڑا سو بھی رہا ہو اور کسی سے لڑ جھگڑ بھی رہا ہو یا ایک ہی وقت میں وہ تندرست بھی ہو اور بیمار بھی ہو۔ غرض وہ ایک نیا جسم ہوتا ہے جو روح کو ملتا ہے کیونکہ روح بغیر جسم کے نہیں رہ سکتی۔ اسی طرح مرنے کے بعد ہر شخص کو ایک نیا جسم ملے گا۔ وہاں خالی روح نہیں ہو گی بلکہ ایک جسم بھی اس کے ساتھ ہو گا اور وہ جسم

لطیف ہو گا جیسے خواب میں انسان کو ایک لطیف جسم ملتا ہے۔خواب کا جسم تو ایسا لطیف ہوتا ہے کہ انسان تو یہ دیکھ رہا ہوتا ہے کہ وہ ہزاروں کا مقابلہ کر رہا ہے یا دریا میں تیر رہا ہے یا پہاڑوں سے گزر رہا ہے یا بڑے بڑے ہاتھیوں اور گھوڑوں کو وہ ایک چپت رسید کرتا ہے اور وہ تمام اس کے مطیع اور فرمانبردار ہو جاتے ہیں۔مگر اس کے پاس لیٹی ہوئی بیوی اور اس کے بچے ان نظاروں میں سے کوئی نظارہ بھی نہیں دیکھ رہے ہوتے۔یہ تو دیکھ رہا ہوتا ہے کہ مَیں ہزاروں انسانوں کے ساتھ لڑ رہا ہوں اور وہ یہ دیکھ رہے ہوتے ہیں کہ اس کے ناک پر مکھی بھن بھن کر رہی ہے اور یہ اسے اڑا بھی نہیں سکتا۔یہ تو دیکھتا ہے کہ مَیں سفر کر کے ہزاروں میل دور نکل گیا ہوں اور یہ دیکھ رہے ہوتے ہیں کہ اس نے ایک کروٹ تک نہیں بدلی۔پس وہ جسم جو انسان کو خواب میں ملتا ہے ایک روحانی جسم ہوتاہے جسے وہ خود تو دیکھ رہا ہوتا ہے مگر اس کے بیوی بچوں کو نظر نہیں آتا کیونکہ انسان کی مادی آنکھیں صرف کثیف جسم دیکھنے کی طاقت رکھتی ہیں۔اسی وجہ سے جن باتوں کو ایک خواب دیکھنے والا شخص اپنی روحانی آنکھوں سے دیکھتا یا اپنے روحانی کانوں سے سنتا ہے انہیں جسمانی آنکھیں نہیں دیکھتیں اور نہ جسمانی کان ان باتوں کو سن سکتے ہیں۔ پس وہ ایک جسم تو ہوتا ہے مگر اس جسم سے بہت اعلیٰ۔اور وہ ان آنکھوں سے نظر نہیں آسکتا۔پھر صرف خواب پر ہی منحصر نہیں اس دنیا میں بھی اس قسم کی کئی چیزیں پائی جاتی ہیں مثلاً مَیں نے اس وقت عینک لگائی ہوئی ہے۔اگر اس عینک کے شیشہ میں سے میں ایک سلائی گزاروں تو وہ نہیں گزرے گی مگر میری آنکھ کی بینائی اس میں سے گزر رہی ہے اورمجھے پتہ بھی نہیں چلتا کہ میری آنکھوں اور لوگوں کے درمیان کوئی چیز حائل ہے۔پس باوجود اس کے کہ میری آنکھوں اور لوگوں کے درمیان ایک روک حائل ہے۔اور 1/10 یا 1/12 انچ کا شیشہ آنکھ کے سامنے ہے میں سب کو دیکھ رہا ہوں۔حالانکہ بظاہر چاہئے یہ تھا کہ مجھے اس روک

کی وجہ سے کچھ نظر نہ آتا۔ مگر حالت یہ ہے کہ مجھے اس شیشہ کی وجہ سے بجائے کچھ نظر نہ آنے کے زیادہ نظر آ رہا ہے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ شیشے کا جسم کثیف نہیں بلکہ وہ ایک شفاف جسم ہے اور وہ میری بینائی کے رستہ میں روک نہیں۔ بلکہ بوجہ اس کے کہ اس کی ساخت اور اس کا شیشہ میری آنکھ کے مطابق ہے وہ میری بینائی کو تیز کر رہا ہے۔ تو دنیا میں خدا تعالیٰ نے ایسی مادی چیزیں بھی رکھی ہوئی ہیں کہ جن میں سے دوسری چیز نظر آ جاتی ہے اور وہ روک نہیں بنتیں۔ مثلاً اگر تم لیمپ جلاؤ اور اس پر چمنی نہ ہو تو تمہیں اندھیرا سا دکھائی دے گا اور اس سے دھوُاں اٹھتا رہے گا لیکن جونہی تم اس پر چمنی رکھو اس کی روشنی بیسیوں گنے بڑھ جائے گی حالانکہ چمنی بظاہر اس کی روشنی میں روک بنتی ہے مگر چونکہ اس کو جو جسم ملتا ہے وہ نہایت شفاف قسم کا ہوتا ہے اس لئے بوجہ شفاف ہونے کے وہ اس روشنی کو روکتا نہیں بلکہ اسے زیادہ اچھا بنا دیتا ہے۔ اسی طرح خواب میں انسان کو جو روحانی جسم ملتا ہے وہ بھی ایک شفاف چیز ہوتی ہے اور اس وجہ سے گو وہ جسم کا ہی کام دیتی ہے مگر اس دنیا کے لوگ اسے دیکھ نہیں سکتے۔ وہ صرف ظاہری جسم کو دیکھنے کی طاقت رکھتے ہیں۔ ان کی بینائی ایسی تیز نہیں ہوتی کہ وہ ان مادی آنکھوں سے روحانی جسم کو بھی دیکھ سکیں۔ یہی حال اگلے جہان میں ہو گا اور وہاں ہر انسان کو لطیف قسم کا ایک روحانی جسم ملے گا بلکہ وہاں کا جہان چونکہ اس جہان سے بہت زیادہ لطیف اور وسیع ہے اس لئے خواب کی حالت میں انسان کو جو جسم ملتا ہے وہ جسم اس سے بھی زیادہ شفاف اور مصفّٰی ہو گا اور اسی لئے وہ جسم ان آنکھوں اور قویٰ سے نظر نہیں آ سکتا۔

تو ہر چیز کے لئے ایک جسم کی ضرورت ہوتی ہے مگر وہ جسم اپنی اپنی حالت کے مطابق بدلتے چلے جاتے ہیں۔ جتنی روح کثیف ہوتی ہے اتنا ہی اس کو جسم کثیف ملتا ہے اور جتنی روح شفاف ہوتی ہے اتنا ہی اس کو جسم بھی شفاف ملتا ہے۔ چنانچہ روح کی حالت جو خواب میں ہوتی ہے وہ اس سے زیادہ صاف ہوتی ہے جو

جاگتے ہوئے روح کی حالت ہوتی ہے اور مرنے کے بعد جو حالت ہو گی وہ خواب کی حالت سے بھی زیادہ مصفّٰی اور زیادہ اعلیٰ ہو گی اور انسان کو خواب کے جسم سے بھی زیادہ شفاف جسم اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کیا جائے گا۔ بہرحال ہر روح کے لئے ایک جسم ضروری ہوتا ہے اور کوئی جسم روح کے بغیر کارآمد نہیں ہو سکتا۔ جس طرح دنیا میں ہر انسان کا ایک مادی جسم ہوتا ہے اور جسم میں روح ہوتی ہے اسی طرح مذہب اور روحانیت کے بھی جسم ہوتے ہیں اور انسان کی ذہنی اور دماغی ترقیات کے بھی جسم ہوتے ہیں۔ مثلاً اسلام نے نماز کی ادائیگی کے لئے بعض خاص حرکات مقرر کی ہوئی ہیں۔ اب اصل غرض تو نماز کی یہ ہے کہ انسان کے دل میں خدا تعالیٰ کی محبت پیدا ہو اس کی صفات کو انسان اپنے ذہن میں لائے اور ان کے مطابق اپنے آپ کو بنانے کی کوشش کرے اس کا قرب اسے حاصل ہو اور اس کا عشق اس کی غذا ہو۔ ان باتوں کا ہاتھ باندھنے یا سیدھا کھڑا ہونے یا زمین پر جھک جانے سے کیا تعلق ہے؟ ظاہر ہے کہ انسان اگر سرسری نگاہ سے اس بات کو دیکھے تو اسے نماز کی اصل غرض کے مقابلہ میں یہ باتیں بظاہر بے جوڑ دکھائی دیں گی مگر چونکہ کوئی روح جسم کے بغیر قائم نہیں رہ سکتی اس لئے خدا تعالیٰ نے جہاں نماز کا حکم دیا وہاں بعض خاص قسم کی حرکات کا بھی حکم دے دیا۔ جن مذاہب نے اس حقیقت کو نہیں سمجھا اور انہوں نے اپنے پیروؤں کے لئے عبادت کرتے وقت حرکات کو ضروری قرار نہیں دیا وہ رفتہ رفتہ عبادت سے ہی غافل ہو گئے ہیں۔ اور اگر ان میں کوئی نماز ہوتی بھی ہے تو ایک تمسخر سے زیادہ اس کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی۔ مثلاً عیسائیوں میں یہ طریق ہے کہ وہ ہفتہ میں ایک دن عبادت کے لئے گرجا میں اکٹھے ہوتے ہیں پادری لیکچر دیتا ہے اور وہ ایک دوسرے کی طرف دیکھتے رہتے ہیں۔ بلکہ بعض تو لکھتے ہیں کہ گرجوں میں نوجوان مرد صرف نوجوان عورتیں دیکھنے کے لئے جاتے ہیں اس سے زیادہ ان کے جانے کی اور کوئی غرض نہیں ہوتی۔ گویا

ان کے مذہب نے عبادت کا ایک تھوڑا سا حصہ جو رکھا تھا اسے بھی ان لوگوں نے ملاقات کا ذریعہ اور مقام بنا لیا اور عبادت کی غرض و غایت کو بالکل فراموش کر دیا۔ یہی وجہ ہے کہ صحیح رنگ میں خدا تعالیٰ کی عبادت کرنے والے عیسائیوں میں بہت تھوڑے ہوتے ہیں۔ اس کے مقابلہ میں مسلمانوں کے لئے روزانہ پانچ وقت کی نمازیں مقرر ہیں اور باوجود اس کے کہ ایک مسلمان کو دن رات میں پانچ مرتبہ مسجد میں جانا پڑتا ہے اور عیسائی ہفتہ میں ایک دن گرجا میں جاتے ہیں، مسجدیں گرجوں کی نسبت زیادہ بھری ہوئی ہوتی ہیں۔ بلکہ اس گئی گزری حالت میں بھی مسجد میں جانے والے مسلمان زیادہ ملیں گے اور گرجا میں جانے والے عیسائی کم ملیں گے۔ اس لئے کہ ان کے لئے بعض قواعد اور اصول وضع کر دیئے گئے ہیں اور ان قواعد اور اصول کو پورا کرتے ہوئے جو شخص مسجد میں جاتا ہے وہ لازماً اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہتا ہے۔ اگر خالی دل کی عبادت ہی کافی سمجھ لی جاتی تو نتیجہ یہ ہوتا کہ مسلمان بھی عیسائیوں کی طرح سُست ہو جاتے اور تھوڑے ہی عرصہ میں وہ نماز سے بالکل غافل ہو جاتے۔ کیونکہ کسی کو یہ کہنے کے لئے کہ مَیں دل میں خدا تعالیٰ کو یاد کر رہا ہوں انسان جھوٹ سے بھی کام لے سکتا ہے مگر ایک مسلمان ایسا نہیں کہہ سکتا کیونکہ پہلے وضو کرنا پھر چل کر مسجد میں آنا اور پھر تمام لوگوں کا اکٹھے ہونا اور اس طرح اجتماعی رنگ میں سب کا عبادت کرنا ایسی باتیں ہیں جو نماز سے غافل ہونے ہی نہیں دیتیں اور اگر کوئی غفلت کرے تو وہ فوراً نظر آ جاتا ہے۔ چنانچہ غور کر کے دیکھ لو مسلمانوں میں ایسے لوگ بہت ہی کم ہوں گے جو کبھی بھی مسجد میں نہ جائیں۔ بہت سے لوگ تو ایسے ہیں جو پانچ وقت مسجد میں جاتے اور اللہ تعالیٰ کی عبات کرتے ہیں اور جو اس میں کسی قدر سُست ہیں وہ تین یا چار نمازوں میں چلے جاتے ہیں اور جو اس سے بھی زیادہ سست ہیں وہ دو وقت کی نماز میں شامل ہو جاتے ہیں اور جو اس کے بھی پابند نہیں وہ ایک نماز میں شامل ہو جاتے ہیں۔ اور اگر کوئی

کسی نماز کے لئے بھی مسجد میں نہ جائے تو جمعہ پڑھنے کے لئے ضرور چلا جاتا ہے اور جو جمعہ کا بھی پابند نہیں ہوتا وہ عیدین میں شامل ہو جاتا ہے۔ بہرحال کسی نہ کسی نماز میں وہ ضرور شامل ہوتا ہے اور ایسے لوگ مسلمانوں میں بہت ہی کم ملیں گے جنہوں نے دو دو یا چار چار سال تک کوئی ایک نماز بھی نہ پڑھی ہو۔ اس کے مقابلہ میں عیسائیوں میں لاکھوں لوگ ایسے مل جائیں گے جنہوں نے چالیس چالیس سال تک گرجے کا منہ نہیں دیکھا ہو گا۔

یہی حال ہندوؤں وغیرہ کا ہے۔ ان میں بھی عبادت کا بہت کم رواج ہے۔ جنہوں نے بت خانے بنا کر ان پر پھول چڑھانا اور ان کے آگے سجدہ کرنا عبادت قرار دے دیا ہے۔ ان میں تو پھر بھی عبادت زیادہ پائی جاتی ہے مگر آریوں نے چونکہ اس طریق کو غلط قرار دے دیا اس لئے اب ہزاروں میں سے کوئی ایک آریہ ہی ہو گا جو دیانند جی کے بتائے ہوئے طریق کے مطابق عبادت کرتا ہو۔ اخباروں میں وہ شور مچائیں گے، جلسوں میں وہ تقریریں کریں گے، مذہب کی سچائی پر وہ دھواں دھار لیکچر دیں گے مگر ان میں سے شاید کوئی ایک سورما اور قومی خادم ایسا نکلے گا جو سال بھر میں ایک دفعہ دیانند جی کے بتائے ہوئے طریقوں کے مطابق عبادت کرنے والا ہو۔ تو ظاہری جسم بھی ایک بڑی مفید اور کارآمد چیز ہے اور جن قوموں نے عبادت میں جسم کو شامل نہیں کیا وہ رفتہ رفتہ عبادت سے بالکل غافل ہو گئی ہیں۔ اسی طرح عبادت میں روزہ شامل ہے اور ظاہر ہے کہ بھوکا پیاسا رہنا ایک جسم ہے روح نہیں۔ چنانچہ رسول کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم فرماتے ہیں کہ اصل روزہ تو دل کا روزہ ہے مگر چونکہ خالی دل کا روزہ کوئی انسان نہیں رکھ سکتا اس لئے خدا تعالیٰ نے بھوکا اور پیاسا رہنا بھی ضروری قرار دے دیا۔ پھر حج ایک عبادت ہے اور اس کی اصل غرض یہ ہے کہ انسان ہر قسم کے تعلقات کو توڑ کر دل سے خدا کا ہو جائے مگر اس غرض کو پورا کرنے کے لئے خدا تعالیٰ نے ایک ظاہری حج بھی رکھ دیا اور صاحبِ استطاعت

لوگوں پر یہ فرض قرار دے دیا کہ وہ گھر بار چھوڑ کر مکہ جائیں۔ سب مسلمان جمع ہوں اور اس طرح اپنے وطن اور عزیز و اقرباء کی قربانی کا سبق سیکھیں۔ بے شک حقیقی حج یہی ہے کہ انسان ہر قسم کے تعلقات کو منقطع کر کے خدا کا ہو جائے مگر اس کے لئے خدا تعالیٰ نے ایک ظاہری جسم بھی رکھ دیا۔ یہی حال صدقہ و خیرات کا ہے۔ حقیقی طہارت اور پاکیزگی تو انسان کے خیالات کی ہے لیکن اس کے ساتھ خدا تعالیٰ نے مال کی پاکیزگی بھی ضروری قرار دے دی کیونکہ اس کے بغیر اسے جسم حاصل نہیں ہو سکتا۔ اگر خالی لوگوں کی خیر خواہی کا حکم دے دیا جاتا تو لوگ اس حکم کو بھول جاتے مگر اب چونکہ خدا تعالیٰ نے اس خیر خواہی کا یہ نشان رکھ دیا ہے کہ انسان غریبوں کو صدقہ و خیرات دے۔ اس لئے جب بھی وہ روپیہ دینے لگتا ہے اسے یہ حکم یاد آ جاتا ہے اور وہ سمجھ جاتا ہے کہ اصل حکم یہ ہے کہ مَیں سب کا خیر خواہ بنوں اور حتی المقدور انہیں فائدہ پہنچاؤں۔ ورنہ انسان ان سے تو محبت کیا ہی کرتا ہے جن سے اس کے دوستانہ تعلقات ہوں۔ اسلام یہ ایک زائد حکم دیتا ہے کہ انسان ان سے بھی حسن سلوک کرے جن سے اسے کوئی فائدہ نہ پہنچا ہو بلکہ جن سے فائدہ پہنچنے کی کوئی امید بھی نہ ہو اور یہ نیکی قائم نہیں رہ سکتی تھی جب تک وہ صدقہ و خیرات نہ دے اور جب تک وہ عملاً غرباء اور مساکین سے حسن سلوک نہ کرے۔

پس غریبوں کی محبت کا خیال اور ان سے حسن سلوک کرنے کی تعلیم جو ہے اسے قائم رکھنے کے لئے خدا تعالیٰ نے صدقہ و خیرات کا حکم دے دیا۔ اب جو شخص سال بھر میں ایک دفعہ زکوٰۃ دیتا ہے یا وقتاً فوقتاً صدقہ و خیرات دیتا رہتا ہے اس کے دل میں تو غریبوں کی محبت رہ سکتی ہے مگر جو ایسا نہیں کرتا اس کا دل بھی غریبوں کی محبت سے خالی ہو جاتا ہے۔ اسی طرح خدا نے روحانیت کے جو جسم بنائے ہیں ان میں سے ایک جسم اخلاق ہیں۔ اخلاق روحانیت کا نام نہیں اور نہ روحانیت

اخلاق کا نام ہے مگر اخلاق روحانیت کے لئے بمنزلہ جسم ضرور ہیں۔اصل بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات انسان کو نظر نہیں آتی صرف اس کا حسن اس کی صفات پر غور کر کے نظر آ سکتا ہے۔پس چونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات مخفی اور وراء الوراء ہے اس لئے اس نے اپنی محبت بندوں کی محبت اور ان کے ساتھ نیک تعلقات رکھنے سے وابستہ کر دی ہے۔جب ان میں سے ایک چیز کو تم حاصل کر لو گے تو لازماً دوسری چیز بھی تمہیں حاصل ہو جائے گی۔گویا یہ دونوں چیزیں لازم ملزوم ہیں۔جسے براہِ راست خدا تعالیٰ کی محبت حاصل ہو گی وہ خدا تعالیٰ کی محبت اپنے دل میں پیدا ہونے کے بعد بندوں کی محبت سے اپنے دل کو لبریز پائے گا جیسے رسول کریم ﷺ کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ دَنَا فَتَدَلّٰی 1 یعنی ہمارا یہ رسول پہلے خدا کے قریب ہوا اور پھر نیچے اترا۔گویا خدا کی محبت محمد ﷺ کو پہلے حاصل ہوئی اور پھر اس کے ساتھ ہی بنی نوع انسان کی محبت آپ کے دل میں ایسی پیدا ہوئی کہ آپ اس جذبہ کو برداشت نہ کر سکے اور ان کی ہدایت کی طرف متوجہ ہو گئے۔مگر کچھ انسان ایسے ہوتے ہیں جنہیں پہلے بنی نوع انسان کی محبت حاصل ہوتی ہے اور پھر وہ خدا تعالیٰ کی محبت کی طرف لوٹتے ہیں۔گویا روحانی کمال کے حصول کے دونوں ذریعے ہیں۔کبھی خدا سے پہلے محبت ہوتی ہے اور اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان کے دل میں بندوں کی محبت پیدا ہو جاتی ہے اور کبھی بندوں سے پہلے محبت ہوتی ہے اور خدا سے محبت اس کے بعد پیدا ہوتی ہے۔محمد ﷺ کی نسبت اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ پہلے ان کے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت پیدا ہوئی اور پھر بنی نوع انسان کی۔

یہ محبت وہبی ہوتی ہے مگر جن کو کسب سے محبت حاصل ہوتی ہے ان کے دل میں پہلے بنی نوع انسان سے محبت پیدا ہوتی ہے اور وہ ان کے لئے ہر قسم کی قربانی کرتے چلے جاتے ہیں۔یہاں تک کہ جب ان کے تعلقات بنی نوع انسان سے کامل ہو جاتے ہیں تو خدا تعالیٰ سے بھی ان کا تعلق پیدا ہو جاتا ہے۔پس خدا تعالیٰ کو

پانے کے یہ دونوں ذرائع ہیں۔ کوئی خدا کو اس طرح پا لیتا ہے اور کوئی اس طرح۔ کوئی خدا سے مل کر بندوں کو پا لیتا ہے اور کوئی بندوں سے مل کر خدا کو پا لیتا ہے۔ جہاں وہب ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا فضل انسان کے شامل حال ہوتا ہے وہاں پہلے خدا کی محبت ملتی ہے اور پھر بندوں کی محبت دل میں پیدا ہوتی ہے اور جہاں کسب اور محنت کا دخل ہو وہاں پہلے بندوں کی محبت پیدا ہوتی ہے اور پھر خدا کی محبت۔ گویا ایک تو نیچے سے اوپر جاتا ہے اور دوسرا اوپر سے نیچے آتا ہے۔ تو ان اخلاق کا اپنے اندر پیدا کرنا دین کی حفاظت کے لئے نہایت ضروری ہوتا ہے۔ یہ اخلاق آگے کئی قسم کے ہوتے ہیں۔ بعض براہ راست بنی نوع انسان سے تعلق رکھتے ہیں اور بعض بالواسطہ تعلق رکھتے ہیں۔ مثلاً غریب کی مدد کرنا یہ تو ہر شخص کو نظر آتا ہے کہ ایک ثواب کا کام ہے اور اس کا دوسروں کو فائدہ پہنچتا ہے مگر سچ کے متعلق انسان نہیں سمجھتا کہ اس کے بولنے سے بنی نوع انسان کا کیا فائدہ حاصل ہو گا۔ حالانکہ سچ بولنا بھی انہی نیکیوں میں سے ہے جن سے بنی نوع انسان کو فائدہ پہنچتا ہے جو شخص سچ نہیں بولے گا وہ لازماً دوسرے کو دھوکا دے گا اور دھوکا ایک ایسی چیز ہے جس سے لوگوں کو نقصان پہنچتا ہے۔ مثلاً ایک شخص کسی سے پوچھے کہ فلاں شخص قادیان میں ہے یا لاہور گیا ہوُا ہے۔ اسے معلوم ہو کہ وہ لاہور گیا ہوا ہے مگر جھوٹ بول دے اور کہہ دے کہ قادیان میں ہی ہے تو اب دوسرا شخص اس سے ملنے کے لئے جائے گا فرض کرو اس کا مکان میل بھر دور ہے تو وہ ایک میل کا چکر کاٹ کر اس کے مکان پر پہنچے گا اور جب اس کے متعلق دریافت کرے گا تو گھر سے پتہ لگے گا کہ وہ تو کل کا لاہور گیا ہوُا ہے۔ اب خود ہی سوچو کہ اس نے جھوٹ بول کر ایک شخص کو کتنا نقصان پہنچایا یا فرض کرو ایک شخص مثلاً زید سے معاہدہ کیا ہوُا تھا کہ تم لاہور چلو مَیں وہاں تم سے کل چل کر مل جاؤں گا۔ اب جب کل آتا ہے اور وہ

شخص ایک تیسرے شخص سے اس بارہ میں پوچھتا ہے کہ کیا وہ لاہور چلا گیا ہے؟ اور وہ جھوٹ بول کر کہتا ہے کہ نہیں تو لازماً یہ شخص بھی اب لاہور نہ جائے گا اور دوسرے شخص کے سامنے جھوٹا بنے گا اور اس دوسرے شخص کا سفر بھی ضائع جائے گا۔ تو بظاہر انسان یہ خیال کرتا ہے کہ سچ بولنے کا کسی دوسرے کے ساتھ کیا تعلق ہے۔ حالانکہ اگر ایک شخص سچ بولتا ہے تو وہ سب کو آرام پہنچاتا ہے اور اگر ایک شخص جھوٹ بولتا ہے تو وہ سب کو تکلیف پہنچاتا ہے۔ اسی طرح محنت کرنا بھی انہی اخلاق میں سے ہے جن کا دوسروں کے ساتھ تعلق ہوتا ہے۔ بظاہر انسان سمجھتا ہے کہ میں کام کروں یا نہ کروں دوسروں کا اس کے ساتھ کیا تعلق ہے۔ حالانکہ وہ مشین کا ایک پُرزہ ہوتا ہے اور اس کی خرابی کے ساتھ ساری مشین کی خرابی اور اس کی عمدگی کے ساتھ ساری مشین کی عمدگی وابستہ ہوتی ہے اگر یہ پُرزہ ناکارہ ہو گا تو مشین پر لازماً اثر پڑے گا۔ جیسے دو بیل ایک گاڑی میں جُتے ہوئے ہوں تو کیا ایک کہہ سکتا ہے کہ یہ امر میری مرضی پر منحصر ہے کہ مَیں چلوں یا نہ چلوں۔ وہ دونوں چلیں گے تو گاڑی چلے گی اور اگر ان میں سے کوئی ایک بھی رہ جائے گا تو گاڑی نہیں چل سکے گی۔ اسی طرح تمام بنی نوع انسان مشین کے پُرزے ہیں۔ ایک ملک کے رہنے والے اپنی حدود میں مشین کے پُرزے ہیں۔ اور ایک شہر کے رہنے والے ان پرزوں سے زیادہ قریب کے پُرزے ہیں۔ اگر ان میں سے ایک بھی صحیح طور پر اپنے فرائض کو سر انجام نہیں دے گا اور محنت سے جی چرائے گا تو لازماً اس کا دوسروں پر بھی اثر پڑے گا۔ قادیان میں اس کی مثالیں کثرت سے ملتی رہتی ہیں۔ ایک شخص محنت نہیں کرتا اور نہ اپنے بیوی بچوں کے گزارہ کی کوئی صورت اختیار کرتا ہے لوگ اسے سمجھاتے ہیں کہ دیکھو مزدوری کرو، محنت کرو اور اپنا اور اپنے بیوی بچوں کا انتظام کرو۔ مگر وہ کہتا ہے تم کو کیا مَیں محنت کروں یا

نہ کروں یہ میرا اختیار ہے تمہیں اس میں دخل دینے کی کیا ضرورت ہے؟ اب بظاہر یہ جواب صحیح معلوم ہوتا ہے مگر جب نتیجہ دیکھا جائے تو اس کی حقیقت معلوم ہو جاتی ہے اور وہ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ تھوڑے ہی عرصہ کے بعد اس کے بیوی بچے کہتے پھرتے ہیں کہ ہم بھوکے مر گئے، ہمارا کوئی خیال کرے۔ اب ایک تو وہ غریب اور یتیم ہوتے ہیں جن کو کما کر کھلانے والا کوئی نہیں ہوتا۔ اور ایک یہ غریب ہوتے ہیں کہ ان کا کمانے والا موجود ہے مگر وہ کماتا نہیں اور محنت سے جی چراتا ہے۔ اگر وہ محنت سے کام کرتا اور خود کما کر بیوی بچوں کو کھلاتا تو صدقہ و خیرات کا ایک حصہ اس کے بیوی بچوں پر خرچ کرنے کی بجائے ان غرباء پر خرچ کیا جاتا جن کو کما کر کھلانے والا کوئی نہیں۔ اور حق بحقدار رسید پر عمل ہوتا۔ لیکن اگر بعض گھروں میں کمانے والے تو موجود ہوں مگر وہ کما کر نہ لائیں تو نتیجہ یہ ہو گا کہ صدقہ و خیرات کی رقم بٹ جائے گی اور کچھ تو ان غرباء کو ملے گی جن کا کمانے والا کوئی نہیں اور کچھ ان کو ملے گی جن کے کمانے والے تو ہیں مگر وہ محنت نہیں کرتے اور اس طرح اصل مستحقین کی روٹی آدھی ہو جائے گی۔ آخر محلے والوں کے پاس کوئی جادو تو نہیں ہوتا کہ وہ جتنا روپیہ چاہیں دوسروں کو دے دیں وہ اپنے اخراجات میں سے تنگی برداشت کر کے کچھ روپیہ بچاتے اور غرباء کو دیتے ہیں مگر یہ نکمے لوگ غرباء کے حصہ کو کھا جاتے اور اپنی قوم اور اپنے محلہ والوں پر ایک بوجھ بنے رہتے ہیں۔ اگر اس قسم کے لوگوں کے بیوی بچے دوسروں سے کچھ مانگیں نہ اور یہ نہ کہیں کہ ہمیں کچھ دو ہم بھوکے مر رہے ہیں تو کم از کم یہ ضرور کہیں گے کہ ہمیں اتنا ادھار دے دو۔ جو لوگ شریف ہوتے ہیں وہ ان کو دے تو دیتے ہیں مگر دل میں یہ سمجھ رہے ہوتے ہیں کہ نہ ان لوگوں نے روپیہ کمانا ہے اور نہ ان سے ہمیں واپس ملنا ہے۔ اب دیکھ لو محنت نہ کرنے کا اثر قوم پر پڑا یا نہیں؟ پھر بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں

کہ وہ بیوی بچوں کو قادیان میں چھوڑ کر آپ کہیں باہر بھاگ جاتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان کے بیوی بچے سلسلہ پر بار بن جاتے ہیں اور پریذیڈنٹوں اور سیکرٹریوں کے پاس چِٹھیوں پر چِٹھیاں آنی شروع ہو جاتی ہیں کہ ہم بھوکے مر گئے ہمارا کوئی انتظام کیا جائے۔

اب بظاہر تو ایسا شخص جو بیوی بچوں کو قادیان میں بٹھا کر آپ کہیں غائب ہو جائے کہہ سکتا ہے کہ کسی کو مجھ پر اعتراض کرنے کا کیا حق ہے۔ بیوی بچے چھوڑے ہیں تو مَیں نے اور اگر بھوکے مریں گے تو میرے بیوی بچے مریں گے نہ کہ کسی اور کے۔ لیکن اگر یہی اصل قوم اختیار کر لے اور ان کی طرف توجہ نہ کرے تو آیا تمام جماعت ایک ملامت کے نیچے آئے گی یا نہیں کہ فلاں فلاں آدمی بھوکے مر گئے اور جماعت نے ان کی طرف کوئی توجہ نہ کی۔ تو یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ لوگوں کا اس کے ساتھ کیا تعلق ہے ؟ ان کا تعلق ہے اور ضرور ہے کیونکہ اگر وہ ان کی خبر نہ لیں تو بدنام ہو جائیں۔

پس قوم ان کی خبرگیری کرنے پر مجبور ہوتی ہے۔ حالانکہ اگر ایسے لوگ خود محنت کریں اور مشقت کا کام کر کے اپنی روزی کمائیں تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ اور ان کے بیوی بچے قوم پر بار ثابت ہوں۔ پس محنت نہ کرنا بھی کسی کا ذاتی فعل نہیں بلکہ ایک قومی جرم ہے۔ اسی طرح گو آجکل یہ بات کسی قدر کم ہو گئی ہے مگر پہلے بالعموم مسلمان تاجر اور کارخانہ دار بھی ہندوؤں کو ملازم رکھتے تھے مسلمانوں کو نہیں۔ اور جب پوچھا جائے کہ مسلمانوں کو کیوں ملازم نہیں رکھتے تو ہمیشہ یہی جواب دیتے کہ کوئی مسلمان دیانتدار ملتا نہیں۔ حالانکہ یہ بالکل غلط ہے۔ مسلمانوں میں بھی بڑے بڑے دیانت دار لوگ پائے جاتے ہیں مگر جانتے ہو اس کی تہہ میں کیا بات ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ جب مسلمانوں کا ایک حصہ بددیانت ہو گیا تو اس نے باقیوں کو بھی بد دیانت مشہور کر دیا اور نتیجہ یہ ہوا کہ چند بد دیانت اور خائن مسلمانوں کی

وجہ سے سب مسلمانوں کو نوکری ملنا مشکل ہو گئی۔ گویا ان بد دیانتوں نے صرف اپنا ہی رزق بند نہ کیا بلکہ دوسرے مسلمانوں کے رزق کو بھی بند کیا۔ لوگوں میں یہ عام رواج ہوتا ہے کہ جب انہیں کسی شخص سے نقصان پہنچتا ہے تو وہ اس کی تمام قوم کا نام لے کر کہتے ہیں کہ وہ سب قوم ایسی ہی ہے۔ ہم اپنے کاموں میں بھی دیکھتے ہیں کہ جہاں کسی احمدی سے کوئی غفلت ہوتی ہے۔ سب لوگ یہ کہنے لگ جاتے ہیں کہ بس جی دیکھ لیا۔ احمدی ایسے ایسے ہوتے ہیں۔ بلکہ خود بعض دفعہ احمدی بھی اس قسم کے الفاظ اپنی زبان سے نکال دیتے ہیں۔ اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ ایسے مقامات میں بعض کارخانے دار اوروں کو ملازم رکھ لیتے ہیں مگر احمدیوں کو نہیں رکھتے اور کہتے ہیں کہ احمدی اچھے نہیں ہوتے۔ اب کوئی احمدی ایسا ہوا ہو گا جس نے اپنا برا نمونہ لوگوں کے سامنے پیش کیا ہو گا مگر اس ایک کی وجہ سے بدنام ساری قوم ہوئی۔ لیکن اگر اس میں محنت کی عادت ہوتی اگر وہ دیانت اور امانت کے ساتھ کام کرنے کا عادی ہوتا تو نہ صرف وہ اپنی روٹی کما سکتا بلکہ کئی دوسرے احمدیوں کی روٹی کا بھی انتظام ہو جاتا۔ کیونکہ لوگ کہتے یہ احمدی تھا جس نے بڑی دیانتداری سے کام کیا اب اور کاموں پر بھی ہم احمدیوں کو ہی مقرر کریں گے۔ تاکہ ہمارے کام خوش اسلوبی سے ہوتے رہیں۔ غرض اگر ایک آدمی اچھا کام کرتا ہے تو دوسرے کی روٹی کا دروازہ بھی کھل جاتا ہے اور اگر ایک آدمی فرائض کی ادائیگی میں غفلت اور کوتاہی سے کام لیتا ہے تو اور لوگوں کی روٹی بھی بند ہو جاتی ہے۔

تو اخلاق میں سے بعض بظاہر انسان کی اپنی ذات کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں لیکن درحقیقت ان کا تعلق تمام قوم کے ساتھ ہوتا ہے جیسے جھوٹ ہے یا سستی ہے یا غفلت ہے یا دھوکا اور فریب ہے۔ یہ ساری بدیاں ایسی ہیں کہ جن کے متعلق بظاہر انسان یہ سمجھتا ہے کہ ان کا صرف اس کی ذات کے ساتھ تعلق ہے حالانکہ وہ ویسے ہی قوم کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں جیسے ان کا تعلق اس کی ذات کے ساتھ ہوتا ہے

اور اگر وہ ان اخلاق کی درستی نہ کرے تو تمام قوم کو نقصان پہنچتا ہے۔

مَیں دیکھتا ہوں کہ مسلمانوں میں اخلاق کی طرف بہت ہی کم توجہ ہے بلکہ ابھی تک احمدیوں نے بھی اخلاق کی اہمیت کو پوری طرح نہیں سمجھا۔ میرے سامنے اس وقت بچے بیٹھے ہیں جو تحریک جدید کے بورڈنگ میں رہتے ہیں۔ مَیں نے تحریک جدید کے مطالبات میں ایک شق اخلاق فاضلہ کی بھی رکھی ہوئی ہے۔ مگر مَیں نہیں سمجھتا کہ ان بچوں کے سپرنٹنڈنٹ اور اساتذہ وغیرہ اخلاق کی اہمیت کو ان پر پورے طور پر ظاہر کرتے ہوں۔ اس لئے کہ تحریک جدید کے بورڈنگ سے نکل کر جو طالب علم باہر گئے ہیں ان کے متعلق بھی کوئی زیادہ اچھی رپورٹیں نہیں آ رہیں۔ حالانکہ ان کے ماں باپ کی اپنے بچوں کو تحریک جدید کے بورڈنگ میں داخل کرنے کی اصل غرض یہ تھی کہ تعلیم کے علاوہ ان کی اعلیٰ تربیت ہو، ان میں محنت کی عادت ہوتی، ان میں اعلیٰ درجہ کی دیانت پائی جاتی، ان میں ہمدردی کا مادہ ہوتا، ان میں سچ کا مادہ ہوتا، ان میں قربانی اور ایثار کا مادہ ہوتا۔ اسی طرح وہ ہر کام کے کرتے وقت عقل سے کام لیتے اور وقت کی پابندی کرتے۔ اور یہ تمام باتیں ایسی ہیں کہ جب تک ان کو بار بار دہرایا نہ جائے اور جب تک بچوں کو ان باتوں پر عمل نہ کرایا جائے اس وقت تک وہ قوم اور دین کے لئے مفید ثابت نہیں ہو سکتے۔ یہ اخلاق ہی ہیں جو انسان کو کہیں کا کہیں پہنچا دیتے ہیں چنانچہ جن لوگوں کو محنت سے کام کرنے کی عادت ہوتی ہے وہ خواہ کسی ملک میں چلے جائیں انہیں کامیابی ہی کامیابی حاصل ہوتی چلی جاتی ہے۔ مگر جو سست ہوتے ہیں انہیں گھر بیٹھے بھی کوئی کام نظر نہیں آتا۔ مَیں نے دیکھا ہے بعض افسر سارا دن فارغ بیٹھے رہتے ہیں اور کہہ دیتے ہیں کہ ہمارے محکمہ میں کوئی کام ہی نہیں۔ انہیں کبھی یہ سوچنے کی توفیق ہی نہیں ملتی کہ ہمارے سپرد جو کام ہوا ہے اس کی کیا کیا شاخیں ہیں اور کس طرح وہ اپنے کام کو زیادہ وسیع طور پر پھیلا سکتے اور اس کے شاندار نتائج پیدا کر سکتے ہیں؟ وہ صرف اتنا ہی کام جانتے ہیں کہ رجسٹروں اور کاغذات پر دستخط کئے اور فارغ ہو کر بیٹھ رہے

لیکن اسی جگہ اور اسی دفتر میں جب کوئی کام کرنے والا افسر آتا ہے تو وہ اپنے کام کی ہزاروں شاخیں نکالتا چلا جاتا ہے اور اسے ہر وقت نظر آتا رہتا ہے کہ میرے سامنے یہ کام بھی ہے میرے سامنے وہ کام بھی ہے۔ یوروپین قوموں کو دیکھ لو یہ جہاں جاتی ہیں انہیں کام نظر آ جاتا ہے۔ ہندوستانی کہتے ہیں کہ ہم بھوکے مر گئے مگر یوروپین لوگوں کو ہندوستان میں بھی دولت نظر آ رہی ہے اور وہ اس دولت کو سمیٹتے چلے جاتے ہیں۔

اسی طرح سیلونی کہتے ہیں کہ ہم بھوکے مر گئے مگر انگریزوں کو سیلون میں بھی دولت دکھائی دیتی ہے۔ افغانی کہتے ہیں کہ ہم بھوکے مر گئے مگر انگریزوں کو افغانستان میں بھی دولت دکھائی دیتی ہے۔ پھر عرب جیسے سنگلاخ خطّہ اور اس کے جنگلوں میں بھی انگریزوں کو دولت دکھائی دیتی ہے۔ مصر جیسی وادی میں بھی انہیں دولت دکھائی دیتی ہے۔ چین جاتے ہیں تو وہاں دولت کمانے لگ جاتے ہیں مگر چینی کہتے ہیں کہ ہمیں کچھ نہیں ملتا۔ تو یہ انگریزوں کی نظر کی تیزی کا ثبوت ہے کہ وہ جہاں جاتے ہیں انہیں دولت دکھائی دینے لگ جاتی ہے اور یہ نظر کی تیزی اخلاق فاضلہ سے ہی حاصل ہوتی ہے۔ اگر کسی قوم میں اخلاق فاضلہ پیدا ہو جائیں تو اس کے افراد کی نظر اسی طرح تیز ہو جاتی ہے۔

غرض قربانی اور ایثار کا مادہ ایسی چیز ہے جو انسان کی ہمت کو بڑھاتا ہے اور سچ بولنا ایک ایسا وصف ہے جو انسان کا اعتبار قائم کرتا ہے اور محنت کی عادت ایک ایسی چیز ہے جو کام کو وسعت دیتی ہے اور جب کسی شخص میں یہ اخلاقِ فاضلہ پیدا ہو جائیں تو ایسا آدمی ہر جگہ مفید کام کر سکتا اور ہر شعبہ میں ترقی حاصل کر سکتا ہے۔ پس میں تحریک جدید کے کارکنوں کو خصوصیت سے اس امر کی طرف توجہ دلاتا ہوں کہ وہ یہ امر طالب علموں کے ذہن نشین کرتے رہیں کہ انہیں ہمیشہ سچائی سے کام لینا چاہئے اور محنت کی عادت اپنے اندر پیدا کرنی چاہئے اور اس امر کو ان کے اتنا ذہن نشین کریں کہ یہ امر ان کے دل کی گہرائیوں میں اتر جائے کہ

ان باتوں کو چھوڑنا ایسا ہی ہے جیسے طاعون میں گرفتار ہونا۔ آخر وجہ کیا ہے کہ ایک چور مل جاتا ہے تو وہ دوسرے کے دل میں چوری کی محبت پیدا کر دیتا ہے۔ ایک جھوٹا اور کذّاب انسان مل جاتا ہے تو وہ دوسرے کو جھوٹ اور کذب بیانی کی عادت ڈال دیتا ہے ایک سست اور غافل انسان کسی دوسرے کے پاس رہتا ہے تو اسے بھی اپنی طرح سست اور غافل بنا دیتا ہے۔ اگر ان بدیوں کے مرتکب اثر پیدا کر لیتے ہیں تو کیا وجہ ہے کہ کارکنوں کے دلوں میں سوز اور گداز پیدا ہو جائے اور وہ اخلاق کی اہمیت کو سمجھ جائیں۔ تو بچوں میں سچ بولنے کی عادت پیدا نہ کر سکیں، ان میں محنت کی عادت پیدا نہ کر سکیں اور کیوں بچّے ان اخلاق فاضلہ سے دوری کو ایک عذاب نہ سمجھنے لگیں۔ اگر متواتر طالب علموں کو بتایا جائے کہ جھوٹ بولنا ایک عذاب ہے اور ایسا ہی ہے جیسے طاعون یا ہیضہ میں مبتلا ہو جانا۔ اگر متواتر طالب علموں کو بتایا جائے کہ سستی اور غفلت ایک عذاب ہے اور ایسا ہی ہے جیسے طاعون یا ہیضہ میں گرفتار ہونا یا بھڑکتی ہوئی آگ میں گر جانا۔ اسی طرح تمام اخلاقِ فاضلہ ان کے ذہن نشین کرائے جائیں تو کیا وجہ ہے کہ ان میں بیداری پیدا نہ ہو اور وہ صحیح اسلامی اخلاق کا نمونہ نہ بنیں۔ مگر اس کے لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ طالب علموں کے سامنے متواتر لیکچر دیئے جائیں اور انہیں بتایا جائے کہ جھوٹ کیا ہوتا ہے؟ سچ کیا ہوتا ہے؟ سچ بولنے کے کیا فوائد ہیں؟ اور جھوٹ بولنے کے کیا نقصانات ہیں؟ میرے نزدیک سو میں سے نوّے انسان یہ سمجھتے ہی نہیں کہ سچ کیا ہوتا ہے۔ یہ ایک عام قاعدہ ہے کہ جتنا زیادہ کسی بات کو دُہرایا جائے اتنا ہی لوگ اس کو کم سمجھتے ہیں۔ تم کسی شخص سے پوچھو حتّٰی کہ کسی گاؤں کے رہنے والے شخص سے بھی دریافت کرو کہ سنیما کیا ہوتا ہے تو وہ ضرور اس کی کچھ نہ کچھ تشریح کر دے گا۔ لیکن اگر تم اس سے پوچھو کہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کی کیا تشریح ہے یا اسلام کو تم نے کیوں مانا ہے تو وہ ہنس کر کہہ دے گا کہ یہ باتیں مولویوں سے دریافت کریں۔ آخر یہ فرق کیوں ہے؟ اور کیوں وہ سنیما کی تشریح تو کسی قدر کر سکتا ہے

مگر یہ نہیں بتا سکتا کہ اس نے اسلام کو کیوں قبول کیا۔ اسی لئے کہ وہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کو ہر وقت رٹتا رہتا ہے اور خیال کرتا ہے کہ مجھے اس کے سمجھنے کی ضرورت نہیں مگر سنیما کا لفظ وہ کبھی کبھی سنتا ہے اور اس لئے لوگوں سے پوچھ لیتاہے کہ یہ سنیما کیا چیز ہے۔ مگر لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کو چونکہ اس نے بچپن سے سنا ہوتا ہے اس لئے وہ خیال کر لیتا ہے کہ مجھے اس کے متعلق کسی سے کچھ پوچھنے کی ضرورت نہیں۔ تم میں سے کسی کے بچہ نے اگر ریل کو نہیں دیکھا اور کسی دن تم اسے ریل دکھانے کے لئے لے جاؤ تو وہ جاتے ہی تم پر سوالات کی بوچھاڑ کر دے گا۔ اگر پنجابی ہو گا تو اپنے باپ سے کہے گا کہ باپو ایہہ کس طرح چلدی ہے؟ کبھی کہے گا کہ کیا یہ دھوئیں کے ساتھ چلتی ہے اور کبھی یہی خیال کرنے لگ جائے گا کہ اس کے اندر کوئی جنّ بیٹھا ہے جو اسے حرکت میں لاتا ہے۔ غرض وہ تھوڑے سے وقت میں تم سے بیسیوں سوالات کر دے گا لیکن کیا اس نے کبھی تم سے یہ پوچھا کہ سورج کیوں بنا ہے؟ اس کی روشنی کہاں سے آتی ہے؟ اس کے اندر گرمی کس طرح پیدا ہوتی ہے؟ اور اس کی روشنی اور گرمی ختم کیوں نہیں ہو جاتی؟ وہ کبھی تم سے یہ سوالات نہیں کرے گا لیکن انجن کے متعلق تم سے بیسیوں سوالات کر دے گا اس لئے کہ انجن اس نے ایک نئی چیز کے طور پر دیکھا ہے اور سورج کو اپنی پیدائش سے ہی وہ دیکھتا چلا آیا ہے۔ اور وہ سمجھتا ہے کہ مجھے اس کے متعلق کچھ پوچھنے کی ضرورت ہی نہیں۔ پس جتنی زیادہ کوئی چیز کسی انسان کے سامنے آتی ہے اتنا ہی وہ اس کی حقیقت اور ماہیت سے ناواقف ہوتا ہے۔ یہ ایک قانون ہے کہ جو فطرت انسانی میں داخل ہے کہ جو چیز کبھی کبھار سامنے آئے گی اس کے متعلق وہ سوالات کی بوچھاڑ کر دے گا اور جو بار بار سامنے آتی رہے گی اس کے متعلق وہ کبھی کوئی سوال نہیں کرے گا۔ کیونکہ بار بار سامنے آنے سے دریافت کرنے کی حس ہی ماری جاتی ہے اور انسان یہ خیال کرنے لگ جاتا ہے کہ مجھے اس کا علم ہے حالانکہ اسے علم نہیں ہوتا۔ چنانچہ تم کسی سے پوچھ کر دیکھ لو کہ سچ کیوں بولنا

چاہئے۔وہ کبھی تم کو اس سوال کا صحیح جواب نہیں دے سکے گا۔تم اپنے محلہ میں ہی کسی دن لوگوں سے دریافت کر کے معلوم کر سکتے ہو کہ آیا وہ اس سوال کا جواب دے سکتے ہیں یا نہیں۔جب تم کسی سے پوچھو گے کہ سچ بولنا چاہئے یا نہیں تو وہ کہے گا کہ ضرور سچ بولنا چاہئے مگر جب پوچھا جائے کہ سچ کیوں بولنا چاہئے تو وہ ہنس کر کہہ دے گا کہ یہ بھی کوئی پوچھنے والی بات ہے۔اس کی وجہ یہی ہے کہ سچ کا لفظ بار بار سن کر لوگوں کے دلوں میں یہ خیال پیدا ہو گیا ہے کہ یہ چیز کسی دلیل کی محتاج نہیں۔حالانکہ یہ بھی ویسی ہی دلیل کی محتاج ہے جیسے اور باتیں دلیل کی محتاج ہیں۔تو لوگ سچ کی تعریف سے بھی واقف نہیں ہوتے، وہ سچ کی ضرورت سے بھی واقف نہیں ہوتے، وہ سچ کے فوائد سے بھی واقف نہیں ہوتے، وہ سچ کو چھوڑنے اور جھوٹ بولنے کے نقصانات سے بھی واقف نہیں ہوتے۔مگر جب ان سے سچ کے بارے میں کچھ پوچھا جائے تو وہ کہہ دیں گے کہ یہ بھی کوئی پوچھنے والی بات ہے۔

میرے پاس کئی لوگ آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ احمدیت کی صداقت کا کیا ثبوت ہے۔مَیں نے حضرت خلیفہ اول کو دیکھا کہ آپ سے جب بھی کوئی شخص یہ سوال کرتا آپ ہمیشہ اسے یہ جواب دیا کرتے کہ تم نے دنیا میں کسی سچائی کو قبول کیا ہوُا ہے یا نہیں؟ اگر کیا ہوُا ہے تو جس دلیل کی بناء پر تم نے اس سچائی کو قبول کیا ہے وہی دلیل احمدیت کی صداقت کا ثبوت ہے۔اس کے جواب میں پوچھنے والا بسا اوقات یا تو ہنس کر خاموش ہو جاتا یا جو دلیل پیش کرتا اسی سے آپ اس کے سامنے احمدیت کی صداقت پیش فرما دیتے۔میرا بھی یہی طریق ہے اور مَیں نے اپنے تجربہ میں اسے بہت مفید پایا ہے۔چنانچہ مجھ سے بھی جب کوئی شخص یہ سوال کرتا ہے کہ احمدیت کی صداقت کا کیا ثبوت ہے۔تو میں اسے یہی کہا کرتا ہوں کہ تم پہلے یہ بتاؤ کہ تم محمد ﷺ کو کیوں مانتے ہو اور کن دلائل سے آپ کی صداقت کے قائل ہو۔جو دلائل رسول کریم ﷺ کی صداقت کے تمہارے پاس ہیں وہی دلائل حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مَیں پیش کرنے کے لئے تیار ہوں۔اس کے

جواب میں کئی لوگ تو خاموش ہی ہو جاتے ہیں اور کئی یہ کہہ دیتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ کی صداقت کے دلائل ہم کیا بتائیں وہ تو ظاہر ہی ہیں۔ پھر جب ان کے اس جواب پر جرح کی جاتی ہے تو صاف کھل جاتا ہے کہ انہیں پتہ ہی نہیں کہ وہ رسول کریم ﷺ کو کیوں سچا سمجھتے ہیں۔ میرے پاس آج تک اس قسم کے جتنے لوگ آئے ہیں ان میں سے نوّے فیصدی کا میں نے یہی حال دیکھا ہے۔ سو میں سے دو چار ایسے بھی ہوئے ہیں جنہوں نے کوئی جواب دیا ہے مگر ان کا وہ جواب بھی بہت ہی ادھورا تھا۔ مثلاً یہی کہہ دیتے ہیں کہ چونکہ رسول کریم ﷺ کی پیشگوئیاں پوری ہوئیں اس لئے ہم آپ کو سچا سمجھتے ہیں اور اس طرح وہ خود ہی قابو میں آجاتے ہیں کیونکہ ہم کہہ دیتے ہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بھی بہت سی پیشگوئیاں پوری ہو چکی ہیں۔ تو جو سچائی ہر وقت انسان کے سامنے رہتی ہے اسے وہ کریدنے کا عادی نہیں ہوتا اور نہ اس کے دلائل اسے معلوم ہوتے ہیں۔ اس لئے یہ کہنا کہ سچائی وغیرہ کے بارہ میں کسی کو سمجھانے کی کیا ضرورت ہے یہ عام باتیں ہیں جو تمام لوگ جانتے ہی ہیں بہت بڑی غفلت ہے۔ کیونکہ جو چیزیں زیادہ سامنے آتی ہیں وہی اس بات کا حق رکھتی ہیں کہ ان کے متعلق بار بار سمجھایا جائے اور بار بار ان کے دلائل بیان کئے جائیں۔ کیونکہ لوگ بار بار سامنے آنے والی چیزوں کے متعلق سوال نہیں کیا کرتے۔ بلکہ وہ غیر معروف چیزوں کے متعلق زیادہ سوال کیا کرتے ہیں۔ قادیان میں قرآن کریم کا درس تو اکثر ہوتا ہی رہتا ہے تم غور کر کے دیکھ لو کہ وہ لوگ جو رسول کریم ﷺ کے متعلق سوالات کرنے والے ہوں وہ بہت ہی تھوڑے ہوتے ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق اس سے زیادہ سوال کرتے ہیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزوں کا ذکر آ جائے تو اور زیادہ سوالات کرتے ہیں لیکن جب آدم کا قصہ آ جائے تو بے تحاشہ سوالات کرنے لگ جاتے ہیں۔ اور یوں معلوم ہوتا ہے کہ گویا دل میں بے اختیار گدگدیاں ہونی شروع ہو گئی ہیں۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ آدم کا واقعہ بہت دور کا ہے اور محمد ﷺ کے معجزات کا بار بار ذکر سن کر

اعتراض کا خیال دل میں پیدا نہیں ہوتا۔ میرا یہ مطلب نہیں کہ ان باتوں کے دلائل موجود نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ لوگوں کو دلائل سے ناواقفیت ہے اور اس کی وجہ کسی بات کا بار بار سامنے آتے رہنا ہے۔ لوگ اس چیز کے بار بار سامنے آنے کی وجہ سے دلائل پر غور نہیں کرتے اور اس کی حقیقت معلوم کرنے سے غافل رہتے ہیں۔ پس تم مت خیال کرو کہ جب تم کہتے ہو کہ سچ بولنا چاہیئے تو تمہارا بچہ بھی جانتا ہے کہ سچ کیوں بولنا چاہیئے۔ وہ اس بات کو ہرگز نہیں جانتا کہ سچ کیوں بولنا چاہیئے۔ بلکہ تم مجھے یہ کہنے میں معاف کرو کہ تم جو کہتے ہو کہ ہمارا بچہ جانتا ہے کہ اسے سچ کیوں بولنا چاہیئے تم خود بھی نہیں جانتے کہ سچ کیوں بولنا چاہیئے۔ اسی طرح تم میں سے وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ ہمیں اپنے بچوں کو یہ کہنے کی کیا ضرورت ہے کہ وہ محنت کریں۔ یہ بات تو سب جانتے ہیں وہ مجھے یہ کہنے میں معاف کریں کہ ان کے بچے تو کیا وہ خود بھی نہیں جانتے کہ محنت کس قدر ضروری چیز ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان چیزوں کے متعلق بہت زیادہ زور دینے، بار بار توجہ دلانے اور زیادہ سے زیادہ ان کی اہمیت لوگوں کے ذہن نشین کرانے کی ضرورت ہے۔

ماں باپ کا فرض ہے کہ وہ اپنے بچوں کے کانوں میں بار بار یہ باتیں ڈالیں۔ اسی طرح اساتذہ کا فرض ہے کہ وہ طالب علموں کے دماغوں میں ان چیزوں کو راسخ کر دیں۔ اور ان باتوں کی کُرید، تلاش اور جستجو کا مادہ ان میں پیدا کریں۔ کیونکہ لوگ سچائی کو نہیں جانتے کہ وہ کیا چیز ہوتی ہے۔ وہ صرف سچ کا لفظ جاننا ہی کافی سمجھ لیتے ہیں۔ اسی طرح وہ نہیں جانتے کہ محنت کتنی ضروری چیز ہے۔ بلکہ وہ صرف محنت کے لفظ کو رَٹ لینا اپنے لئے اور اپنے بچوں کے لئے کافی سمجھتے ہیں۔ اسی طرح لوگ جھوٹ سے بچنے کے الفاظ تو سنتے ہیں مگر جانتے نہیں کہ جھوٹ کیا ہوتا ہے۔ اسی طرح انہوں نے بنی نوع انسان کی محبت اور خیر خواہی کے الفاظ سنے ہوئے ہوتے ہیں مگر جانتے نہیں کہ محبت اور خیر خواہی کیا ہوتی ہے۔ اسی طرح انہوں نے غیبت کا لفظ سنا ہوا ہوتا ہے مگر جانتے نہیں کہ غیبت کیا ہوتی ہے۔ یہ

نہیں کہ ہماری شریعت میں ان چیزوں کا حل موجود نہیں۔ حل موجود ہے قرآن کریم نے ان امور کی وضاحت کر دی ہے۔ احادیث میں رسول کریم ﷺ نے تمام باتوں کو کھول کر بیان کر دیا ہے۔ مگر لوگ ہیں کہ ان باتوں کی طرف توجہ ہی نہیں کرتے۔ حدیثوں میں آتا ہے ایک دفعہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ غیبت نہیں کرنی چاہیئے اس پر ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ! اگر مَیں اپنے بھائی کا وہ عیب بیان کروں جو اس میں فی الواقع موجود ہو تو آیا یہ بھی غیبت ہے؟ رسول کریم ﷺ نے فرمایا غیبت اسی کا تو نام ہے کہ تم اپنے بھائی کا اس کی عدم موجودگی میں کوئی ایسا عیب بیان کرو جو فِی الواقع اس میں پایا جاتا ہے۔ اور اگر تم کوئی ایسی بات کہو جو اس میں نہ پائی جاتی ہو تو یہ غیبت نہیں بلکہ بُہتان ہو گا۔2 اب دیکھو رسول کریم ﷺ نے اس مسئلہ کو حل کر دیا اور بتا دیا کہ غیبت اس بات کا نام نہیں کہ تم کسی کا وہ عیب بیان کرو جو اس میں پایا ہی نہ جاتا ہو۔ اگر تم ایسا کرو تو تم مفتری ہو، تم جھوٹے ہو، تم کذاب ہو۔ مگر تم غیبت کرنے والے نہیں۔ غیبت یہ ہے کہ تم اپنے کسی بھائی کا کوئی سچا عیب اس کی عدم موجودگی میں بیان کرو۔ یہ بھی منع ہے اور اسلام نے اس سے سختی کے ساتھ روکا ہے۔ مگر باوجود اس کے کہ محمد ﷺ نے اس بات کو ساڑھے تیرہ سو سال سے حل کر دیا ہے اور قرآن میں اس کا ذکر موجود ہے۔ اگر اب بھی کوئی غیبت کر رہا ہو اور اسے کہا جائے کہ تم غیبت مت کرو تو وہ جھٹ کہہ دے گا کہ میں غیبت تو نہیں کر رہا میں تو بالکل سچا واقعہ بیان کر رہا ہوں۔ حالانکہ ساڑھے تیرہ سو سال گزرے رسول کریم ﷺ یہ فیصلہ سنا چکے اور عَلَی الْاِعْلَان اس کا اظہار فرما چکے ہیں۔ مگر اب بھی اگر کسی کو روکو تو وہ کہہ دے گا کہ یہ غیبت نہیں یہ تو بالکل سچی بات ہے حالانکہ کسی کا اس کی عدم موجودگی میں سچا عیب بیان کرنا ہی غیبت ہے اور اگر وہ جھوٹ ہے تو تم غیبت کرنے والے نہیں بلکہ مفتری اور کذّاب ہو۔

یہ چیزیں ہیں جن کی طرف توجہ کرنے کی ضرورت ہے مگر بوجہ اس کے

کہ بار بار ان کے الفاظ کانوں میں پڑتے رہتے ہیں لوگ حقیقت معلوم کرنے کی جستجو نہیں کرتے۔ پس ان باتوں پر بار بار زور دو اوراس امر کو اچھی طرح سمجھ لو کہ جب تک یہ جسم مکمل نہیں ہو گا اس وقت تک مذہب کی روح بھی قائم نہیں رہ سکتی۔ گویا ایمان ایک روح ہے اور اخلاق فاضلہ اس روح کا جسم ہیں۔ پس میں تحریک جدید کے تمام کارکنوں اور خدام الاحمدیہ کو توجہ دلاتا ہوں کہ وہ نوجوانوں میں ان باتوں کو پیدا کرنے کی کوشش کریں۔ سپرنٹنڈنٹ کو چاہئے کہ وہ بچوں کے کانوں میں یہ باتیں بار بار ڈالیں اور ماں باپ کو چاہئے کہ وہ اپنی اولاد کو ان باتوں پر پختگی کے ساتھ قائم کریں اور کوشش کریں کہ ان میں جھوٹ کی عادت نہ ہو، غیبت کی عادت نہ ہو، چغل خوری کی عادت نہ ہو، ظلم کی عادت نہ ہو، دھوکا اور فریب کی عادت نہ ہو۔ غرض جس قدر اخلاق ہیں وہ ان میں پیدا ہو جائیں اور جس قدر بدیاں ہیں ان سے وہ بچ جائیں تاکہ وہ قوم کا ایک مفید جسم بن سکیں۔ اگر ان میں یہ بات نہیں تو وفات مسیحؑ پر لیکچر دینا یا مُنہ سے احمدیت زندہ باد کے نعرے لگاتے رہنا کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا کیونکہ کوئی روح بغیر جسم کے نہیں رہ سکتی اور کوئی جسم بغیر روح کے مفید کام نہیں کر سکتا۔ جسم کی مثال ایک پیالے کی سی ہے اور روح کی مثال دودھ کی سی۔ جس طرح دودھ بغیر پیالہ کے زمین پر گر جاتا ہے اسی طرح اگر اخلاق فاضلہ کا جسم تیار نہیں ہو گا تو تمہارے لیکچر اور تمہاری تمام تقریریں زمین پر گر کر مٹی میں دھنس جائیں گی لیکن اگر اخلاق فاضلہ کا پیالہ تم ان کے دلوں میں رکھ دو گے تو پھر وعظ بھی انہیں فائدہ دے گا اور تقریریں بھی ان میں نیک تغیّر پیدا کر دیں گی۔" (الفضل 14 مارچ 1941ء)

1 النجم: 9

2 ترمذی اَبْوَابُ الْبِرِّ وَالصِّلَةِ باب مَا جَاءَ فِی الْغِیْبَةِ